امام غزالیؒ کے فکری اسفار کا مطالعہ

خالد عزیز*

Abstract

Al-Ghazali has been referred to, by some historians, as the single most influential Muslim after Prophet Muhammad .His work was so highly acclaimed by his contemporaries that he was awarded the honorific title "proof of Islam" (Hujjat al-Islam).Al-Ghazali argued that some fundamentalists, who perceive philosophy to incompatible with religion, tend to categorically reject all views adopted by 'philosophers' including scientific facts like lunar and solar eclipses, but when later persuaded of a certain view, they tend to blindly accept all other views held by the philosophers.

He encouraged people to gain knowledge and was not against modern science, rather he was against the idea of viewing religious faith through the principles of modern science, also brought the orthodox Islam of his time to close contact with Sufism making it increasing possible for individuals to combine the two.

KEYWORDS*: Sufism, religion, modern science, orthodox, knowledge.*

اللہ تعالی نے انسان کو مرکب بنایا جسم وروح کا اور انسانی ذات کے وجود میں آنے کے بعد کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں ان مرکب شدہ عناصر کی نشوونمانہ ہورہی ہو یہ ہی وجہ ہے کہ جسمانی ضرویات کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالی نے کل اسماء کا علم انسانی ذات میں ودیعت کیا تاکہ انسان غوروفکر کے ہتھیار سے لیس ہوکر اس مسخر شدہ کائنات کا مربوط مطالعہ کریں اور وہ رحمتیں اور نعمتیں جو کہ خالق کائنات نے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے رکھ دی ہیں ان کو نہ صرف اپنے مصرف میں لائے بلکہ کائنات کے حقائق سے بھی روشناس ہوسکے۔ روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پیغمبروں کا سلسلہ قائم کیا گیا تاکہ معاشرے کی ایسی تعلیم وتربیت ہو جس سے وہ اخلاقی نظام وجود میں آئے جو کہ اللہ تعالی

* ڈاکٹر خالد عزیز، ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

کو مطلوب ہے۔ انبیاءؑ انسان کے فکری عوامل کی اس طرح سے بتدریج نشوونما کرتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اس کی صحیح روح کے مطابق سمجھتا ہوا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس مقصد کو سمجھ سکے جس کے باعث کائنات تخلیق کی گئی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ شریعت محمدی ﷺ میں وہ تمام بنیادی تعلیمات موجود ہیں کہ جن کی مدد سے ہر دور کا انسان غور و فکر کرتے ہوئے ہر جدید دینی و دنیاوی مسائل پر اللہ کی رضا کو معلوم کر سکتا ہے اور یہ ہی وہ خاص نعمت ہے جو کہ امت محمدیہ کا خاصہ، امتیاز اور افتخار ہے۔

انسانی معاشرے میں علمی و فکری بگاڑ اس ہی وقت رونما ہوتا ہے جب ان دینی و دنیاوی علوم کی صداقت کو ان ہی علوم کے مسلمہ اصولوں پر پرکھنے کے بجائے ایک دوسرے کے معیار کی کسوٹی پر جانچا جائے اس عمل کا لازمی نتیجہ نہ صرف علم کے انکار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے بلکہ ان علوم کے ماننے والوں کے درمیان جنگ و جدل کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کے منصب سے نیچے اور اس مقصد سے دور ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو تخلیق کیا گیا۔

امام غزالیؒ کی جامعیت کا راز اس ہی میں مضمر ہے کہ انہوں نے حقائق کی جستجو کیلئے علوم و فنون، رسم و رواج اور تقلیدی روایات کو غور و فکر کے ترازو اور شریعت محمدی ﷺ کی روشنی میں سمجھا، تمام فکری عوامل کو ان ہی کی حدود میں سمجھ کر معاشرے اور زمانے سے ہم آہنگ کیا اور ایسی الٰہی فکر جو کہ مسلم اُمہ میں ناپید ہو چلی تھی اس کو پھر سے روشناس کروایا کہ جس پر عمل پیرا ہو کر انسان قرب خداوندی، معرفت الٰہی اور تسخیر کائنات کا مقصد حاصل کر سکے۔

امام غزالیؒ کے ذہنی تغیرات

امام غزالیؒ کے دل و دماغ میں یہ سوالات کیسے پیدا ہوئے، ان کے ہم عصر علماء و فقہا کا طرز معاشرت تو یہ تھا کہ وہ دوسرے مکتبہ فکر علماء سے ملنا اچھا نہیں سمجھتے تھے ایک ماحول سے دوسرے ماحول میں آنا چاہتے ہی نہ تھے بر خلاف اس کے امام غزالیؒ سب سے ملتے تھے اور ان کے خیالات معلوم کرتے تھے شاید اس لیے ان کے دل میں سوالات پیدا ہوئے۔ سوالات کا آغاز یوں ہوا کہ امام غزالیؒ نے اپنے چاروں طرف اختلاف مذہب و ملت اور افکار و خیالات کا ایک طوفان دیکھا، ہر مسلک والا اپنے مسلک پر مطمئن اشعری، معتزلی، متکلم، فلسفی اور باطنیہ وغیرہ وغیرہ اپنی اپنی جماعتوں کو حق بجانب ٹھہرانے کی فکر میں مصروف عمل اور ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتے تھے۔ "امام غزالیؒ نے دیکھا کہ عیسائی اور یہودی اپنے عقائد کو برحق صرف اس بنا پر قرار دیتے تھے کہ اُن کی پیدائش اس عقیدے پر ہوئی"[1] آپؒ کے نزدیک موروثی عقائد اور اس پر کامل یقین اور معاشرتی تقلیدی عناصر انسانی تحقیقی و تخلیقی ذہنی رُوحجان کو کم و بیش ختم کر دیتے ہیں، یہ امام غزالیؒ کی ذاتی تلاش حق تھی کہ وہ تقلیدی نظریات پر اکتفا نہ کر سکے۔

امام غزالیؒ کی عظیم شخصیت کا راز در اصل اس بات میں پوشیدہ ہے کہ امام غزالیؒ وہ پہلے شخص ہیں جو علمیت کے

بڑے درجے تک پہنچنے کے بعد بھی اپنے موجودہ علم پر مطمئن نہیں تھے، وہ اپنے علم و تحقیق میں اضافے کے لیے اپنے ذہن میں سوال نامے ترتیب دیتے رہے اور حق کی تلاش کے لیے سرگرداں رہتے، اس سفر حق میں اُنھوں نے کئی قسم کی زحمتیں اور تکالیف برداشت صرف اس لیے کی کہ امام غزالیؒ کے زمانے میں جو علوم وفنون رائج تھے اور جن کا لوہا دنیا میں مانا جاتا تھا آپؒ کی نظر میں ان کی حثیت مشکوک ہوگئی تھی اس لیے انہوں نے علوم کا از سر نو جائزہ لیا اور اس کے بارے معاشرے میں رائج رسوم ورواج کی اندھی تقلید نہیں کی، اُنھوں نے گہری سوچ وفکر اور غیر جانبداری کے ساتھ ہر مذہب اور فرقے کے نظریات کی چھان بین کی، آپؒ ہر فرقہ کے عقیدوں کی کھوج میں لگارہتے تھے اُن کے نزدیک دین حق کہلانے کا مستحق صرف وہ ہی دین ہوگا جو انسانی ذہن میں اُٹھنے والے ہر صحیح سوال کا صحیح جواب دے اور اس کا جواب صرف بذریعہ عقل نہ ہو کہ اس میں غلطی کی گنجائش موجود ہے بلکہ ایسی جگہ سے ہو جہاں "صرف عقل اس کی طرف رہنمائی نہیں پاتی"[۲] واس لیے انھوں نے بے خوف وخطر ہر مذاہب کی غیر جانبدارنہ تحقیق کی۔

امام غزالیؒ کے سامنے یہ مسئلہ نہیں تھا کہ انھیں کچھ موروثی عقیدوں کی حمایت کرنی ہے بلکہ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اس وقت تک تسلیم کرتے چلے آئے تھے اور جن علوم وفنون، عقائد وافکار کی تعلیم و تعلم میں عمر عزیز کا بڑا حصہ صرف کر دیا تھا دراصل ان کی حقانیت ان کی نظروں میں مشکوک ہوگئی تھی فقہ کی موشگافیاں، علم کلام کی نکتہ آفرینیاں، باطنیہ کے عقائد اور ابن سینا وفارابی کے مسلمات سے ان کی تسکین نہیں ہوتی تھی اور یہ سب ان کی پیاس کو بجھانے، ان کے قلب وذہن کی خلش دور کرنے میں اپنا اعتبار کھو بیٹھے تھے۔ سوالات نے اس درجہ دل ودماغ پر قابو پالیا تھا کہ فکر وعقل کا کوئی درجہ بھی ان کے پاس قابل اعتماد نہیں رہا تھا۔ حتیٰ کہ محسوسات کے یقینی ہونے میں بھی انہیں شبہ تھا اس قسم کے شبہ کے اسباب کیا تھے اس کی تفصیل ان ہی کے الفاظ میں درجہ ذیل ہے:

> **من أين الثقة بالمحسوسات، وأقواها حاسة البصر وهي تنظر الى الظل فتراه واقفا غير متحرك، وتحكم بنفي الحركة، ثم بالتجربة والمشاهدة بعد ساعة تعرف أنه متحرك وأنه لم يتحرك دفعته بغتة بل على التدريج ذرة ذرة، حتى لم تكن له حالة وقوف۔ وتنظر الى الكواكب فتراه صغيرا في مقدار الدينار۔ ثم الأدلة الهندسية، تدل على أنه أكبر من االأرض في المقدار"[۳]**
>
> "محسوسات پر بھی کیونکر بھروسہ کیا جائے جب کے ان میں قوی تر حاسہ بصر ہے، اس کی کیفیت یہ ہے جب کہ وہ سایہ کو دیکھتا ہے تو سکون کی حالت میں جس میں کوئی حرکت و جنبش نہیں لہذا اس کو ساکن ہی سمجھا جاتا ہے۔ پھر تجربہ ومشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ تو برابر حرکت کررہا ہے۔ ہاں اس کی حرکت دفعتاً اور اچانک نہیں ہوتی، بلکہ آہستہ آہستہ اور بتدریج ہوتی ہے اور مطلق سکون تو کبھی نہیں ہوا، اسی طرح یہ حاسہ ستاروں کو دیکھتا ہے تو اسے یہ بہت چھوٹا نظر آتا ہے گویا ایک دینار سے زیادہ اس کا جسم نہیں لیکن پھر ہندسی دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تو زمین سے بھی کہیں بڑا ہے۔"

محسوسات میں گنجائش اس شبہ کی بناء پر نکلتی ہے کہ ہر حاسہ سے علم حاصل کرنے کے لیے کچھ شرائط ہیں کہ جب تک وہ نہ پائے جائیں ان کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قطعی ویقینی نہیں ہو سکتا، مثلاً حاسہ بصر سے جو علم ہوتا ہے وہ اس بات پر ہے کہ وہ چیز جس کو ہم دیکھ رہے ہیں کیا اس کا ہر ہر حصہ ہمارے سامنے ہے یا نہیں، کیا ہم میں اور اس چیز میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ صحیح طور پر دیکھنے کے لیے درکار ہے اور کیا وہ جگہ روشن ہے یا نہیں، جہاں وہ چیز رکھی ہوئی ہے یا جس کو ہم دیکھنا چاہتے ہیں تو درمیان میں کوئی چیز حائل تو نہیں ہے۔ ان میں سے اگر کوئی شرائط بھی نہیں پائی جائے گی تو دیکھنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس عقلیات وریاضیات بہر حال قطعی ہے۔ دو اور دو چار ہونگے اور دس کا عدد ہر حال میں تین اور چار سے زیادہ ہے۔ لیکن امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ جب میں نے اس حقیقت پر غور کیا تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ کہیں عقلیات اور ریاضیات میں بھی اعتماد کا وہی حشر نہ ہو جس کا تجربہ مجھے محسوسات میں ہو رہا ہے دراصل امام غزالیؒ حقیقت کی رسائی کے لیے ایسے ذریعے کی تلاش میں تھے جہاں عقل خود سربہ سجود ہو جائے شاید ادراک عقل کے سواء کوئی اور تقاضہ بھی ہو جو واضح ہو کر خود عقل کے فیصلے کو جھٹلا دے۔ آپ اس سچائی کو پالینے میں کامیاب ہوئے جس کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مسند درس کو چھوڑا، اہل وعیال سے علیحدگی کی اختیار کی تھی اور جبہ وعبا کے بجائے فقیرانہ پوشاک کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا۔

ابتدائی تعلیم وتربیت

امام غزالیؒ نے ابتدائی تعلیم روایتی طور وطریقوں سے حاصل کی اس زمانے میں درس کا یہ قاعدہ تھا کہ استاد مطالب علمیہ پر جو تقریر کرتا تھا شاگرد اس کو قلمبند کرتا جاتا ان ہی تقریروں کے مجموعہ کو تعلیقات کہا جاتا تھا۔ امام صاحب نے ''فقہ کی ابتدائی کتابیں احمد بن محمد رازکافی سے پڑھی جو کہ امام صاحب کے شہر ہی میں مقیم تھے اس کے علاوہ ابو حامد اسفرائینی اور احمد بن جہینی جیسے جید علماء کرام سے بھی اکتساب علم کیا۔ طوس سے نکل کر جرجان کا قصد کیا اور امام ابو نصر اسماعیلی سے تحصیل علم شروع کی، نشو ونما شافعی مذہب اور اشعری فرقہ کے عقائد ومسلک میں ہوا، ابتداً اسی طرز کی تعلیم حاصل کی جو اس زمانے میں دنیا کی ترقی کا ذریعہ بن سکتی تھی۔''(۴) جرجان سے وطن واپسی کے دوران اتفاق سے راستے میں ڈاکوؤں نے آگھیرا اور امام صاحب سے ان کا سب کچھ چھین لیا جس میں ان کے تقریریوں کا مجموعہ بھی شامل تھا جو امام صاحب کو ابو نصر اسماعیلی نے لکھوایا تھا اور جس کے لیے امام صاحب نے اتنا طویل سفر اور سخت محنت کی تھی آپ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور فرمایا'' میں اپنے اسباب اور سامان میں سے صرف اس مجموعہ کو مانگتا ہوں کیونکہ میں نے ان ہی کے سننے اور یاد کرنے کے لیے سفر کیا تھا، سردار نے ان کے کاغذات یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ تم نے خاک سیکھا، جب کہ تمہاری یہ حالت ہے کہ ایک کاغذ نہ رہا تو تم کورے رہ گئے۔'' (۵) امام صاحب پر اس سردار کے اس طنز آمیز فقرے نے گویا ہاتف غیبی کی آواز کا اثر کیا آپ نے ان تمام تقریروں کو زبانی یاد کرنا شروع کر دیا اور تین برس میں

آپ ان تمام مسائل کے حافظ بن گئے۔

امام صاحب کی علمی پیاس اس حد تک بلند ہو گئی تھی کہ معمولی علماء ان کی تشفی مناسب طور پر نہیں کر سکتے تھے اس لیے وہ علوم کی تکمیل کے لیے وطن سے باہر نکلے، اس زمانے میں تمام ممالک اسلامیہ میں علوم وفنون کے دریا رواں تھے ایک ایک شہر وقصبہ میں کئی کئی مدارس موجود تھے اس کے علاوہ بڑے بڑے شہروں کئی ایسے علماء بھی موجود تھے کہ جن کی درس گاہیں بذات خود مدرسوں کی صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود دو شہر علوم وفنون کے مرکز تسلیم کئے جاتے تھے ان میں ایک نیشاپور کا نام آتا ہے اور دوسرا بغداد۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خراسان، فارس اور عراق میں دو بزرگ استاد کل تسلیم کئے جاتے تھا، امام الحرمین اور علامہ ابو اسحاق شیر ازی دونوں بزرگ ان ہی شہروں میں درس دیا کرتے تھے، نیشاپور چونکہ امام غزالیؒ کے شہر کے قریب واقع تھا اس لیے امام غزالیؒ نے پہلے وہیں جانے کا ارادہ کیا اور وہیں امام الحرمین کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

آپ نے صدر مدرس امام الحرمین سے فقہ، حدیث، علم کلام، معقولات، فلسفہ اور الہیات کا درس لینا شروع کیا اور اپنے مقصد تکمیل علوم کے حصول کے لیے جدوجہد کی آپ پہلے امام الحرمین کے شاگرد رہے اور پھر نائب (معید ومددگار) کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے، کیونکہ بچپن ہی سے آپ میں خداداد ذہانت اوراعلی ذکاوت کے آثار نمایاں تھے اس لیے تھوڑی ہی مدت میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر آپ امام الحرمین کی نظر میں ممتاز اور تمام معاصرین واقران میں مشہور ومعروف ہو گئے آپ نے امام الحرمین کی صحبت انتقال تک نہیں چھوڑی شاید آپ کی ان سے محبت یا سوچ کہ علم کا کوئی اضافی نقطہ آپ سے رہ نہ جائے یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب نے باقاعدہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف شروع کر دی تھی اور علوم متداولہ میں کمال حاصل کر کے آپ نے اپنا حلقہ درس قائم کر لیا تھا اس وقت امام صاحب کی عمر اٹھائیس برس تھی۔

دور غزالیؒ کے فکری رُوحجانات

بنی آدم کا عروج کسی خاص قوم سے وابستہ یا اس کا خاصہ نہیں بلکہ اللہ تعالی کی مسخر کائنات کی دعوت ہے، جس کو ہر قوم نے ہر زمانے کے اعتبار سے لبیک کہتے ہوئے اپنا حصہ ڈالا، امام غزالیؒ کے دور تک مسلمانوں نے نہ صرف اپنی سلطنتوں کو نہ صرف وسعت دیتے رہے بلکہ علوم وفنون کے میدانوں میں بھی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑتے رہے، یہ اس لیے ہی ممکن ہوا جب اسلام کی تسخیری قوت نے انسانی اذہان کو مغلوب کیا اور مختلف مذہب واقوام کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ عربی اور عجمی اقوام کے میل جول سے قوموں کی خصوصیات ایک دوسرے میں منتقل ہو جانا فطری عمل ہے اور یہ ہی وہ امر ہے کہ جس کی وجہ سے عجمی اقوام میں موجود علم وتحقیق کا شوق وجستجو امت مسلمہ کے حکمرانوں جن کا تعلق مختلف خاندانوں اور علاقوں سے تھا باہمی رقابتوں کے باوجود اس طرح جذب ہوا کہ وہ خود ان کا علمی مزاج بن گیا۔

تاریخ دان جان ڈریپر کہتا ہے کہ:

"۔۔۔۔۔ ایک دوسرے کے سیاسی رقیب تو تھے ہی لیکن علم و حکمت اور ادب انشا کی سرپرستی میں بھی ہر ایک کی کوشش ہوتی کہ دوسروں سے فوق لے جائے" (۶)

یہ ان ہی حکومتی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے تراجم کے دفاتر قائم ہوئے جہاں مختلف مختلف اقوام کے نابغۂ روزگار افراد سے دیگر زبانوں میں محفوظ علوم جیسے طب، فلکیات، طبعیات، منطق، فلسفہ، حساب وغیرہ کو عربی زبان میں منتقل کروایا گیا اس میں کوئی شک نہیں کہ یونان، اٹلی، سلی اور اسکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمے کے ذریعے سے منتقل نہیں ہوا۔ بقول فلب حتی کے:

The awakening was due in large measure to foreign influences, partly indo-Persian and Syrian but mainly Hellenic and was marked by translations into Arabic from Persian, Sanskrit, Syria and Greek. (7)

"یہ بیداری بڑی حد تک بیرونی اثرات کا نتیجہ تھی اس میں کچھ ہندی، ایرانی اور شامی اثر تھا اور بڑا حصہ یونانی اثر کا تھا۔ اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے زیر اثر پہلوی، سنسکرت اور سریانی زبانوں سے عربی میں ترجمے ہوئے۔"

ان علوم کی بدولت اسلام کو ماننے والے دنیا کی ترقی یافتہ قوم کی حثیت اختیار کر گئے وہی ان ہی کی وجہ سے مذہبی افکار کو جانچنے کے ایسے طریقے رواج پا گئے کہ جس سے اسلام کے اندر نئے نئے فرقے وجود میں آئے جیسا کہ معتزلہ، قدریہ، باطنیہ وغیرہ جنھوں نے شریعت اسلام کے احکامات اور عقائد کی ایسی تشریحات بیان کی جس سے دین اسلام کی اصل روح مسخ ہو گئی، امام غزالیؒ کے دور میں یہ تمام علوم و فنون بام عروج پر تھے۔

امام غزالیؒ کی مروجہ علوم وفنون پر تحقیق

امام غزالیؒ نے علم الکلام، فلسفہ، منطق، طبیعیات، ریاضیات وغیرہ پر بہت جچی تلی تنقیدات فرمائی، ریاضیات میں ان کو کوئی اشکال نظر نہیں آتا تھا، اس حوالے سے صرف ان لوگوں سے ان کو شکایت تھی جو ریاضی کے اُصولوں پر غور کرنے کے بعد اس حسن ظن میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ لوگ الہیات میں بھی ایسی ہی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوگے جو ریاضی کا لازمی نتیجہ ہے حالانکہ یہ دو بالکل مختلف باتیں ہیں۔ منطق کے بارے میں ان کا یہ ہی خیال ہے کہ اس کا تعلق صرف براہین وادلّہ کی صحت وعدم صحت سے ہے اس لیے کوئی ایسی بات نہیں جو خلاف دین تصور کی جائے جو قباعت ہے تو فقط یہ کہ لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ جو انداز و معیار ان کا منطق میں ہے وہ ہی عقائد اور دینیات میں بھی ہو گا، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ان کی زیرکی و عقل مندی صرف اس ہی میدان میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے، الہیات میں یہ لوگ حد درجہ کے متاہل اور سہل انگار ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ آپ علوم و فنون کو بُرا نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اُمور دنیا کو

چلانے کے لئے لازم ہیں وہ اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ دنیاوی علوم کی وجہ سے انسانی ذہن ترقی کی جانب گامزن اور اُس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے لیکن انسان جن اُصولوں کی بنیاد پر دنیاوی علوم کو پرکھتا ہے اگر اُن ہی بنیادوں پر وہ دینی علوم کو پرکھے گا تو وہ سخت گمراہی اور پستی کی جانب گامزن ہو جائے گا۔ آپ نے ان ہی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمان اہل دانش اور علماء حضرات کو اس بات کی ترغیب دی کہ دنیاوی علوم میں بھی مہارت حاصل کریں تاکہ عام عوام الناس پر سے غیر مسلموں کے علمی رُعب کا خاتمہ ہو آپ فرماتے ہیں کہ:

بدار الجهال بمجادلته الرد على ماقرر لديهم كمقابلتهم بانكار علوم التعاليم الاربعة من الهندسة والحساب والمنطق ومعرفة المواكب وثبوتها۔ وهى مقدمات علومهم وعنوان كلامهم وعنصر براهين ولم يحكموا فيما حاولوا شيءا كاحكامهم لها (۸)

”ان جاہل لوگوں سے مقابلہ کے لئے جو لا دین اور مذہب کو نہیں مانتے اُس سے مقابلے اور رد کے لئے علوم اربعہ، عالم الاعداد، علم ہندسہ، علم منطق اور علم فلکیات کا سیکھنا ضروری ہے، یہ چار علوم دیگر علوم کے سمجھنے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ان علوم کو حاصل کرنے والا کلام و گفتگو اور دلائل کے اعتبار سے اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ مخالفین کا مقابلہ باآسانی کر سکتا ہے۔“

امام غزالیؒ کی تنقید کا منشایہ تھا کہ ہر فن کے دائروں کو الگ الگ سمجھا جائے اور جب بھی کسی مسئلہ پر بحث کی جائے اس میں حسن ظن اور تقلید کی بنا پر کوئی رائے قائم نہ کی جائے بلکہ دیکھا جائے کہ نفس مسئلہ کس حد تک صداقت پر مشتمل ہے اور صرف اس مسئلہ کی حد تک اس میں کیا سقم اور نقص رونما ہوا ہے، آپ ایسے لوگوں کو اسلام کے نادان دوست سمجھتے تھے جو کہ ایسے علوم جن کی صداقت پر کسی کو شک نہیں ان پر تنقید کرنا اپنی دینی حمیت اور ضرورت تصور کرتے تھے جب کہ ان سے کسی دینی حقیقت کا ابطال بھی نظر نہیں آتا، جس کی وجہ سے اہل عقل و دانش یوں خیال کرتے کہ گویا مذہب کا سارا کارخانہ جہل و نادانی پر مبنی ہے اور یہ ہی نہیں اس میں سرے سے یہ استطاعت ہی نہیں کہ علم و تجربہ کے حقائق کا کامیابی سے مقابلہ کر سکے آپ کے نزدیک یہ ذہنیت حد درجہ مضرت رساں ہے۔ آپ نے فلسفہ کے ان موضوعات کو تنقید کا نشانہ بنایا جس کا براہ راست تعلق مذہبی عقائد سے ہے جیسے توحید، نبوت، قیامت وغیرہ، آپ نے ان ہی منطقی اور فلسفیانہ طریقوں سے ان کے نظریات کا ابطال کیا جس کی بنیاد پر اُن کے نظریات کی عمارت کھڑی ہوئی تھی، ڈاکٹر فضل الرحمن کے بقول:

(Imam Ghazli) argued against the philosophers position with the regard to Religious doctrine point by point and revealed both its self-contradictions and its insufficiencyFrom the religious point of view.(9)

”(امام غزالیؒ) نے دینی عقائد کے بارے میں فلاسفہ کے موقف کے خلاف نکتہ بہ نکتہ دلائل دیئے اور

مذہبی نقطہ نظر سے اُس کی اندرونی بے ربطی اور اس کے ناکافی پن دونوں کو آشکارا کیا۔"

امام غزالیؒ کے نزدیک حقائق کے ادراک کیلئے حصول معرفت ضروری ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب انسان اُس ہی خدا کی پیروی کریں جس نے کائنات اور انسان کو خلق کیا اور اُس کے علم میں کوئی تبدیلی یا تغیر نہیں جب کہ غیر مسلم کے علوم اگرچہ دنیاوی طور پر مضبوط ہی کیوں نہ ہو لیکن عقائد کے اعتبار سے فقط خیالات اور اندازوں کا مجموعہ ہیں جس میں سچ اور جھوٹ کی ملاوٹ ہوتی ہے اور ان کے علوم الہیات علم الیقین کے درجہ میں بھی کامل نہیں ہوتے۔ غیر مسلم کے علاوہ مسلمانوں میں بھی ایسے فرقے ظہور میں آ گئے تھے جو مذہب کی تشریح اپنے سیاسی مفادات کے تحت کرتے تھے تاکہ انسانی ہمدردی و جذبات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اقتدار پر قبضہ جما سکے، آپ نے مذہب تعلیمہ [۱۰] جس کا بنیادی مقصد ہی اسلام کو سیاسی بنیاد پر کمزور کرنا تھا ان کی سازشوں اور مکر و فریب سے خطوط، کتابوں اور خطبات کے ذریعے عوام الناس کو آگاہ کیا اور اس کے علاوہ ایسے خود ساختہ صوفی اور مسلم فلاسفر جو شریعت کی پابندی سے خود کو آزاد سمجھتے تھے جن کے بقول ہم علم کے اُس بلند مرتبہ پر پہنچ گئے جہاں ہم کو شریعت کی پابندی کی حاجت نہیں آپ نے ان کا رد کیا۔ آپ کے نزدیک حقیقت کی رسائی کیلئے لازمی ہے کہ شریعت محمدی ﷺ اور سنت پر متابعت لازمی ہو اس کے بغیر انسان اللہ کا مطلوب بندہ نہیں بن سکتا اور اس علم میں اس کا کوئی حصہ نہیں جس کا تعلق نور نبوت سے ہے، طریقت یا حقائق کا علم کا سیکھنا اگرچہ لازم ہے لیکن اس علم کو شریعت کے زیر تابع رکھا گیا ہے، آپ کے بقول:

ان العين عينان ظاهرة وباطنة من عالم الحس والمشاهدة،والباطنة من عالم آخر وهو عالم الملكوت و لكل عين من العينين شمس ونور عنده تصير كاملة الابصار ۔ احداهما ظاهرة والاخرى باطنة والظاهرة من عالم الشهادة وهى الشمس المحسوسة،والباطنة من عالم الملكوت وهو القرآن وكتب الله المنزلة [۱۱]

"آنکھیں دو ہیں ظاہری اور باطنی، نگاہ ظاہر کا تعلق عالم محسوسات ومشاہدے سے ہے اور نگاہ باطن کا تعلق عالم آخر سے اور عالم آخر عالم ملکوت ہے اور دونوں آنکھوں میں سے ہر ایک کے لیے آفتاب ونور ہے جس کے باعث بینائی کامل ہو جاتی ہے آفتاب بھی دو ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن، ظاہری آفتاب تو وہ ہے جو نظر آتا ہے، باطنی آفتاب قرآن اور اللہ تعالی کی نازل کردہ کتابیں ہیں۔"

انسانی ذات مرکب ہے روح اور جسم کا یہ ہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے شریعت کی حقیقت یا معرفت کو طریقت میں رکھا کیوں کہ انسان کے ہر فعل کا اثر اس کی روح اور قلب پر پڑتا ہے اگر انسان شریعت پر عمل پیرا نہیں ہوگا اور گناہ کی لذت میں گرفتار رہے گا تو وہ کبھی اللہ کا قرب نہیں پا سکے گا اگرچہ وہ اپنی صداقت کیلئے کتنی ہی قسم کی شعبدہ بازیاں ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ امام غزالیؒ نے اپنے دور کے ہر اس قسم کے دنیاوی علوم وفنون اور مذہبی نظریات کو سختی سے رد کیا جو انسان کو گمراہی، پستی اور اللہ سے دور لے جاتے ہیں۔

امام غزالیؒ اور حصول معرفت

امام غزالیؒ کے نزدیک کائنات اور حقائق اشیاء کا دامن صرف مادیات اور عقل ہی کی حد تک سمٹا ہوا نہیں ہے بلکہ اس کے آگے بھی حقیقت ووجود کی فرمانروائی ہے ,ایک عام اور مادہ پرست انسان کی اس تک رسائی نہیں۔ احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے تفصیل سے بتایا ہے کہ فہم وعقل کے وہ حسی آلات جو انسان کو دیئے گئے ہیں ان سے مقصود اشیاء کا حقیقت کا پانا نہیں ہے اور نہ یہ ان کے بس کا روگ ہے کہ اعلی روحانی اقدار ومعانی پر قابو پا سکیں، بلکہ سمع وبصر اور عقل وخیال کو ایسی محدود صلاحیتیں تو صرف اس لئے بخشی گئی ہیں کہ ان سے یہ روز مرہ کی ضروریات کا کام چلا سکے ۔ یہ جاننے کے لیے کہ کائنات کیا ہے، خالق کا کائنات سے کیا تعلق ہے اور بندوں پر کس نوع کے اخلاقی ودینی قوانین عائد ہوتے ہیں، اس دنیا میں حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، ان کے سمجھنے اور حاصل کرنے کے لئے جن احساسات کی ضرورت ہے امام غزالیؒ کے تجربہ میں وہ مجاہدہ اور ریاضت سے اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب قلب کا تصفیہ ہو جاتا ہے اور زندگی ر زائل اور ادنیٰ خواہشات سے رہائی حاصل کر لیتی ہے اس بناء پر امام غزالیؒ کا مطالبہ بجا ہے کہ اگر حقائق اشیاء کی جستجو مقصود ہے تو دلیل سے الگ ہو کر خدا کے لطف وکرم سے ہمکنار ہو کر دیکھو، یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد امام غزالیؒ نے جس مسلک کی طرف توجہ کی وہ طریقہ صوفیہ کا تھا جس کو قدرت نے شروع ہی سے ان کی خلقت میں ودیعت کر دیا تھا، اس بناء پر امام غزالیؒ کو جو ماحول پسند آیا وہ صوفیہ کا ماحول تھا، وہ صرف ان ہی کے علم وعمل سے متاثر تھے۔ امام غزالیؒ کو صوفیہ کا دامن عمل دنیا طلبی کے داغ دھبوں سے پاک نظر آیا، اس لیے ان کے مسلک تصوف پر بھروسہ کرنا اور ان کے طریقہ عمل پر گامزن ہونا انھوں نے اختیار کیا۔ کیوں کہ امام غزالیؒ خلوص دل کے ساتھ حق کی تلاش میں تھے اسی لیے اللہ تعالی نے آپ کی توجہ اپنے سیدھے راستے کی جانب کروائی، سب سے پہلے جس چیز نے امام غزالیؒ کو تصوف کی طرف مائل کیا وہ صوفی کا زہد وتقویٰ تھا، اُن کا دامن دنیاوی اغراض ومقاصد سے بالکل صاف تھا اور وہ اخلاق عالیہ سے آراستہ تھے دوسری وجہ یہ کہ صوفی کا علم امام غزالیؒ کی نظر میں صحیح، ان کا عرفان آزمایا ہوا اور انداز فکر حکیمانہ تھا، جو صرف حکماء اور اولیاء کا ہی حصہ ہو سکتا ہے اس بناء پر صوفیہ پر بھروسہ کرنا امام غزالیؒ کے لیے آسان تھا آپ فرماتے ہیں کہ:

> وأن سيرتهم احسن السير وطريقهم أصوب الطرق وأخلاقهم أزكى الاخلاقبل لو جمع عقل العقلاء وحكمة الحكماء وعلم الواقفين على اسرار الشرع من العلماء ليغيروا شيءامن سيرهم واخلاقهم ويبدلوه بماهو خير منه لم يجدوا اليه سبيلافان جميع حركاتهم وسكناتهم في ظاهرهم وباطنهم مقتبسة من نور مشكاة النبوة وليس وراءنور النبوة على وجه الارض نور يستضاء به(۱۲)
>
> ”مجھے محسوس ہوا کہ انھیں کی (صوفیہ) سیرت خوب تر ہے انھیں کا راستہ دوسرے راستوں کی نسبت زیادہ سیدھا ہے اور انھیں کی اخلاق زیادہ پاکیزہ ہیں بلکہ اگر تمام عقلا کی عقلیں اور سب حکماء کی دانائیاں اور علماء شریعت اور واقفان دین کے علوم اکھٹا کیے جائیں تب بھی اس لائق نہ ہوں کہ ان کے اخلاق و سیرت کے

مقابلہ میں کسی اخلاق وسیرت کو پیش کر سکیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تمام محرکات وسکنات مشکوٰۃ نبوت سے روشن ہیں اور نور نبوت کے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی نور ہے ہی نہیں جس سے روشنی حاصل ہو سکے ۔"

ان وجوہ کے پیش نظر حق وصداقت کی تلاش میں امام غزالیؒ کا فیصلہ یہ رہا کہ صوفیہ کے روحانی تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے لیکن اس میں بڑا اشکال یہ تھا کہ یہ لوگ زیادہ صاحب تصنیف نہ تھے اس لئے ان کے احوال ومقامات کی پوری تشریح کتابی صورت میں موجود نہ تھی۔ اس کا پتہ نہیں چل سکتا کہ مشاہدہ ووجدان اور کثرت عبادت وذوق سے انھیں کیا حاصل ہوا اور جسم وجاں کی اذیتیں اور بھوک وپیاس کی تکلیفوں سے دوچار ہونے کے بعد انھوں نے کن روحانی لذتوں کو پایا۔

ان ہی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر حقائق سے آشنائی نصیب ہوتی ہے اور ایسے ہی علماء کرام وراثت انبیاء کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں، ان کی تمام زندگی نفس کے مجاہدوں اور شریعت کی پیروی پر مبنی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کا نفس پاک اور دل اس قابل ہو تا ہے کہ اللہ کا نور اور اس کے راز کو اپنے اندر سمو سکے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

ومعرفت خدائے تعالی ومشاهدات جمال حضرت وی صفت وی است، وتکلیف بروی است و خطاب بادی است، عتاب وعقاب بعوی است، وسعادت وشقاوت اصلی وی راست، وتن همه اندر حال تبع وی است، ومعرفت حقیقتوی معرفت وی کلید معرفت خدائے تعالی است (۱۳)

"خدا کی معرفت اور اس کے جمال بیمثال کا مشاہدہ اسی دل کی صفت ہے اسی پر تکلیفِ عبادت ہے، اسی سے خطاب، عذاب اور ثواب ہے، اصلی سعادت وشقاوت اسی کے لئے، ان سب باتوں میں بدن اس کا تابع ہے، اس کی (دل) حقیقت اور صفتوں کا پہچاننا اللہ تعالی کی معرفت ہے۔"

آپ کے نزدیک اپنی زندگی کو اس میدان کا مسافر بناؤ اور اپنے اعمال وفکر سے یہ ثابت کرو کہ تمہارے قلب کا آئینہ ایسا صاف اور روشن ہو چکا ہے کہ علم غیب کے اثرات اس پر اپنا سایہ ڈال سکتے ہیں۔ امام غزالیؒ کا کہنا ہے کہ یہ وجدان سراسر ذوقی چیز ہے اس لیے اس کو ذوق ہی کی مدد سے پانا ممکن بھی ہے امام غزالیؒ کا تجربہ ہے کہ جس طرح مریض کو صحت کی برکات نہیں سمجھائی جا سکتی تاوقتیکہ وہ تندرستی کی نعمت کو نہ پالے اور جس طرح ایک بھوکا نہیں جان سکتا کہ شکم سیری میں کیا مزے ہیں جب تک وہ خود پیٹ بھر کر نہ کھائے اور جس طرح ایک ایسا شخص جس نے شراب نہیں پی، وہ نشہ ومستی کی کیفیت کا احاطہ نہیں کر سکتا جب تک وہ پی کر مستی کا لطف حاصل نہ کرلے۔ ٹھیک اسی طرح وہ شخص اعلی ادراکات سے متمتع نہیں ہو سکتا جس نے زہد وعبادت کا مزہ نہیں چکھا، نفس کو رذائل سے پاک نہیں کیا، مجاہدہ اور ریاضتوں سے قلب وفکر کی گہرائی میں غوطہ زنی نہیں کی اور وہ اس ذوق وکیف سے آشنا نہ ہوا جو اس جلب انوار کے لئے ضروری ہے۔ امام صاحب الفاظ یہ ہیں:

۔۔۔مالا یمکن الوصول الیه بالتعلم بل بالذوق والحال وتبدل الصفات وکم من الفرق بین ان یعلم حد الصحة وحد الشبع واسبابهما وشروطهما وبین ان یکون صحیحا وشعبانا وبین ان یعرف حد

السکر وانه عبارة عن حالة تحصل من استیلاء ابخرة تتصاعد من المعدة علی معادن الفکر، وبین ان یکون سکرانا، بل السکران لا یعرف حد السکر، وعلمه وهو سکران ومامعهمن علمه شئی والصاحی یعرف حد السکر وارکانه وما معه من السکر شئی، والطبیب فی حالة المرض یعرف حد الصحةواسبابها وادویتها وهو فاقدالصحة ،فکذلک فرق بین ان تعرف حقیقة الزهد وشروطهاواسبابهاوبین ان یکون حالک الزهدوعزوف النفس عن الدنیا (۱۴)

"۔۔۔تصوف تک تم صرف علم کے ذریعے سے نہیں پہنچ سکتے بلکہ ذوق وحال اور صفات کی تبدیلی سے پہنچ سکتے ہو، جو صحت اور سیری سے اس کے اسباب وشرطوں سے واقف ہوتا ہے اس میں اور تندرست اور پیٹ بھرے میں بڑا فرق ہے ،اسی طرح جو مستی کی تعریف جانتا ہے کہ معدہ سے بخارات اٹھتے ہیں اورانسان کی دماغ پر مستولی ہوتے ہیں، اس جاننے والے اور مست میں بڑا فرق ہے بلکہ مست آدمی مستی کی تعریف اور اس کے عمل کوئی نہیں جانتا پھر بھی مست ہوتا ہے، اس طرح طبیب جب بیمار ہو وہ صحت، اس کے اسباب اور دواؤں کو جانتا ہے مگر صحت کو کھوئے ہوئے رہتا ہے بالکل اسی طرح زہد کی حقیقت اور اس کی شرطوں اور اسباب کو جاننے کے باوجود تم زاہد نہیں ہوسکتے۔"

اس کے بعد ہی امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی شخص اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ جس طرح حسیات سے آگے فہم وشعور کا ایک عالم ہے اسی طرح اس کے آگے ایک عالم وجدان وعرفان کا بھی ہے اور اس ہی کی صراحت سے ایک اور عالم ادراک کے ڈانڈے ملتے ہیں جیسے ہم ماوراء وجدان سے تعبیر کرتے ہیں اور معاملہ صرف اسی مقام پر آکر رک نہیں جاتا بلکہ اس سے بھی آگے ایک عالم نبوت کا ہے جس میں باہمی ربط کی نوعیت عجیب ونا قابل بیاں ہے۔ امام کہتے ہیں یہ عقدہ فی الحال لا ینحل ہے اور اس کو خدائے خبیر وعلیم ہی خوب جانتا ہے۔ یہ وہ ذہنی ومذہبی تغیرات اور علمی اسفار تھے کہ جن کے بعد امام غزالیؒ نے راہ حق کو پایا۔

حاصل کلام

آپ ایک حقیقت پسند اور غیر جانبدار شخصیت کے مالک تھے، حقائق تک رسائی کے لئے آپ نے مروجہ علوم وفنون کا از سر نو جائزہ لیا انہوں نے اپنے پیدائشی مذہب کو حق نہیں سمجھا اور اس تحقیق میں لگ گئے کہ خدا کا سچا راستہ کون سا ہے، آپ نے تقلید ورسوم کو پھر سے پرکھا، مذاہب وفرق کی دقت نظر سے چھان بین کی، آپ کے نزدیک حقیقی علم چاہے وہ دنیاوی یا دینی اعتبار سے ہو اپنی تہہ میں اذعان ویقین کے پیمانے رکھتا ہے، اس کے اثبات کے لیے معجزات و خوارق کی نہ صرف ضرورت نہیں بلکہ جو بات اس طرح علم کی زد میں آجائے تو وہ نظریات یا عقائد مزید کھل اور نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان تمام دنیاوی علوم کی تعلیم کو جائز اور ضروری قرار دیا جو معاشرتی اعتبار سے لازمی

ہیں جب کہ یونانی فلاسفر، لادینی عناصر، شریعت اور تصوف میں توازن، جاہل صوفیاء کارد اور گمراہ فرقوں کے عقائد کے تصورات پر آپ نے تنقید کی۔ آپ کے مطابق ہر علم کا اپنا ایک معیار ہے اور اپنے اثبات کے لیے اسے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت نہیں۔

تصوف کی طرف مائل ہونے کی وجہ اس طائفہ کے اخلاق وعادات، روشن خیالی اور روشن ضمیری ہے کیونکہ تصوف وسلوک کی راہ پر گامزن ہونے کی شرط اول یہ ہی ہے کہ انسان کو خواہشات وجذبات کے احساسات سے اوپر اُٹھنا ہوگا، عقل وفکر اور ذہن وقلب کو ریاضتوں اور مجاہدوں سے اس طرح صقیل اور چمکانا ہوگا کہ ان پر انوار الہیہ منعکس ہوسکیں ان کا اپنا تجربہ یہ ہے کہ جب انھوں نے اس راہ کو اپنایا تو دین کے حقائق اس طرح منکشف ہوئے کہ کوئی اس میں اشکال باقی نہ رہا اور ساتھ ہی نظری علوم وفنون کی گرہیں بھی کھلتی چلی گئیں۔

حوالہ جات

۱۔ غزالی، امام محمد، المنقذ من الضلال، مشمولہ: مجموعہ رسائل امام غزالی، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۳ء، ص ۸۳۵

۲۔ ایضاً، احیاء علوم الدین فی الدین، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۸۴ء، ج ۳، ص ۱۱

۳۔ ایضاً، المنقذ من الضلال، مشمولہ: مجموعہ رسائل امام غزالی، محولہ بالا، ص ۹۳۵،۸۳۵

۴۔ ابن عساکر، علی، تبین کذب المفتری، مطبعۃ التوفیق، دمشق، ۱۳۴۷ھ، ص ۱۹۲

۵۔ الزبیدی، محمد الحسینی، علامہ، اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء العلوم، المطبعۃ المیمنۃ، مصر، ۱۳۱۱ھ، ج ۱، ص ۷

۶۔ ڈریپر، جان ولیم، ڈاکٹر، John Willian Dreaper, A History of the Conflict between Religion and Science, Appleton and Company , New York,1875, p.239

۷۔ حتی، فلپ Philip K Hittie, The Arabs : A Short History, 1960,London, MackMillan &Co, p.85

۸۔ غزالی، امام محمد، معراج السالکین، مشمولہ: مجموعہ رسائل امام غزالی، محولہ بالا، ص ۸۴

۹۔ فضل الرحمن، ڈاکٹر Islam,1966,London,WeidenFeled & Co,p.120

۱۰۔ مذہب تعلیمہ در حقیقت ایک سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد حصول اقتدار تھا وہ شرعی احکامات کی ایسی تشریح کرتے جس سے اسلام کی اصل روح مسخ ہو جاتی تھی۔ آپ ;۲۳۱; نے ان کے رد میں ایک کتاب مستظہری کے نام سے بھی تحریر کی۔

۱۱۔ غزالی، امام محمد، مشکوۃ الانوار، مشمولہ: مجموعہ رسائل امام غزالی، محولہ بالا، ص ۳۷۲

۱۲۔ ایضاً، المنقذ من الضلال، مشمولہ: مجموعہ رسائل امام غزالی، محولہ بالا، ص ۴۵۵،۵۵۵

۱۳۔ ایضاً، کیمیائے سعادت، شرکت انتشارات علمی وفرہنگی، تہران، ۱۳۲۵ھ، ج ۱، ص ۵۱

۱۴۔ ایضاً، المنقذ من الضلال، مشمولہ: مجموعہ رسائل امام غزالی، محولہ بالا، ص ۲۵۵